ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں

بنگال کے مسلمانوں کی معاشی حالت

ڈاکٹر معین الدین خان ریڈر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

اٹھارھویں صدی کے وسط میں بنگال پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہو جانے سے ہندوؤں کے لئے ایک نیا تاریخ ساز دور شروع ہوگیا، جب کہ اس علاقہ کے مسلمانوں کے لئے یہ تباہی کا دور ثابت ہوا۔ یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ اس دور میں جاوا کے بعد بنگال ہی میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ تیرھویں صدی کے اوائل ہی میں یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی تھی اور ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ تک یہ مسلمانوں کی طاقت کا ایک نہایت مضبوط مرکز بنا رہا، یہاں تک کہ پلاسی کی جنگ نے تقریباً دو سو سال کے لئے مسلمانوں کی قسمت پر مہر لگادی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام ہی سے ان کی قسمت نے کروٹ بدلی۔

پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ پر رابرٹ کلائیو کی فتح باہمی جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے مسلمان حکمرانوں کے خلاف ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی ایک کامیاب سازش کا نتیجہ تھی۔ یہ سازش بااثر ہندو درباریوں اور تاجروں کی مدد سے انتہائی عیاری کے ساتھ تیار کی گئی اور بڑی چالاکی سے اسے تکمیل کو پہنچایا گیا۔ سازش تیار کرتے وقت سازشیوں نے بنگال کے آزاد نواب حکمرانوں کی بنیادی باغیانہ نوعیت کو ملحوظ رکھا۔ اس کے علاوہ انہیں اس سنگین سیاسی خلفشار سے بھی فائدہ پہنچا جو ایک طرف مرہٹوں کی آئے دن کی لوٹ مار سے تو دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کی جانب سے دہلی کے مغل شہنشاہ کی حمایت میں ہندوستان کی سیاست میں مداخلت کی دھمکی کے سبب پیدا ہوگیا تھا۔ تاہم کلائیو نے اپنی مٹھی بھر فوج کی مدد سے طاقت ور نواب کے خلاف جنگ چھیڑ کر ایک ایسا خطرہ مول لیا جس کا کچھ بھی انجام ہو سکتا تھا۔ لیکن قسمت اس پر مہربان تھی۔ میر جعفر نے اتنی بر وقت غداری کی کہ جنگ کا پانسہ نواب کے خلاف پلٹ گیا اور اس طرح سراج الدولہ کی شکست کے بعد بنگال ایک پکے ہوئے پھل کی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کی جھولی میں آگرا۔ (۱)

بنگال میں کمپنی کی حکومت کا آغاز مالگزاری وصول کرنے والی نظامت (دیوانی) کی حیثیت سے ہوا۔ کمپنی یہ مالگزاری دہلی کے شہنشاہ کے نام پر وصول کرتی تھی اس نعرے کے ساتھ کہ "زمین خدا کی، سلطنت بادشاہ کی اور حکومت کمپنی بہادر کی"۔ لیکن درحقیقت اس نے برطانوی سلطنت کا پَرتو بن کر کام شروع کیا اور ۱۸۶۰ء تک اس نے ظلم وجبر کے ذریعہ حکومت کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ پلاسی کے معرکہ کے ایک سو سال بعد وہ خون ریز بغاوت پھوٹ پڑی جسے غدر کا نام دیا گیا (۲) اور برطانوی پارلیمنٹ نے کمپنی کی جگہ خود ملک کا نظم ونسق سنبھال لینے کا فیصلہ کیا۔

کمپنی کی سو سالہ حکومت (۱۷۵۷-۱۸۵۷ء) کے دوران تین عظیم اقتصادی قوتیں اُبھریں جنہوں نے بنگال کی دیہی معیشت پر گہرا اثر ڈالا اور تین قوتوں کے ذریعے اقتصادی استحصال کرنے والے تین طبقے سامنے آئے —— گماشتے۔ زمیندار۔ اور نیل کار یا مقامی مالکانِ باغات — جنہوں نے قدیم مسلمان امراء اور مسلمان حاکم طبقہ کی جگہ لی اور جن کی لوٹ نے مقامی دیہی آبادی کو بالکل قلاش اور کنگال کر دیا۔ آگے چل کر ان اقتصادی قوتوں اور بنگال کی مسلمان سوسائٹی پر اس کے اثر کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا جس میں بعض حالیہ مطبوعات سے کافی مدد لی گئی ہے۔ ان میں حسبِ ذیل کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔

این کے سنہا کی "بنگال کی اقتصادی تاریخ — پلاسی سے بندوبست دوامی تک" (مطبوعہ ۱۹۵۶ء)۔ اے آر ملک کی "برطانوی پالیسی اور بنگال کے مسلمان ۱۷۵۷-۱۸۵۷ء" (مطبوعہ ۱۹۶۱ء) مظہر الحق کی "ایسٹ انڈیا کمپنی کی زرعی پالیسی اور بنگال میں تجارت ۱۷۹۸-۱۶۴۸ء" مطبوعہ ۱۹۶۴ء اور راقم السطور کی "بنگال میں مسلمانوں کی آزادی کی جدوجہد" (۱۹۶۰ء) اور " FARAIDI تحریک کی تاریخ" (۱۹۶۵ء) وغیرہ۔ ان کے علاوہ کچھ تحقیقی مضامین اور دستیاب ہو سکنے والی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دستاویزوں سے بھی مدد حاصل کی گئی ہے۔ تاکہ صورتِ حال کی ایک مختصر مگر مکمل تصویر پیش کی جا سکے۔

ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ بنگال میں کمپنی کی حکومت قائم ہونے سے کلکتہ کے ہندو کاروباری طبقہ یا بنیوں کو بہت نمایاں حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس سے پہلے وہ مقامی ساہوکاروں کی حیثیت سے انگریز کی خدمت کرتے رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ تاجروں اور دلالوں کی حیثیت سے اور ملک کے اندر اُن کے کاروبار میں منیجروں اور ایجنٹوں کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی نجی تجارت چلانے میں خاص طور پر مددگار تھے اور اسی لئے ان کو گماشتہ یا تنخواہ دار ایجنٹ کہا جاتا تھا۔ یہ پورا طبقہ اسی نام سے معروف تھا۔ (۱۸۵۷ء) پلاسی کی جنگ کے بعد نئے حکمرانوں سے گہرے روابط کی بنا پر وہ ان کے مشیر بھی بن گئے اور ان کے اور عوام

کے درمیان رابطہ کا کام بھی انجام دینے لگے۔ صورتِ حال سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی غرض سے وہ نہایت تیزی سے پورے صوبے (بنگال، بہار اور اڑیسہ) میں پھیل گئے۔

۱۷۶۲ء کی ایک خاص پولیس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پورے ملک میں گماشتے پھیلے ہوئے تھے جن کی منڈیوں پر اجارہ داری تھی، وہ لوگوں کو قید اور کوڑوں کی سزا کا خوف دلا کر بھاری قیمت پر اپنا مال خریدنے پر مجبور کرتے تھے۔ اور لوگوں سے ان کی اشیاء کوڑیوں کے مول خریدتے تھے۔ کاشت کاروں کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے دادنی (پیشگی) وصول کریں اور فصل کے خاتمہ پر ان کو ان کی مقرر کی ہوئی شرائط پر اپنی پیداوار فروخت کریں۔ تنازعہ کی شکل میں وہ خود ہی جج بن کر فیصلے سناتے تھے اور لوگوں پر ایسے ایسے ظلم توڑتے تھے جن کے متعلق رپورٹ میں "ناقابلِ بیان" کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس طرح انہوں نے باقر گنج (باریسال) کے بازار کو جو اس سے پیشتر تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا بالکل ختم کر دیا (۳) ۱۷۹۴ء میں قاسم بازار کے افسر اعلیٰ نے جو ایک بڑا یورپین افسر تھا، حکومت کو بتایا کہ اسے ملک کے ہر حصے میں گماشتوں کی جانب سے انتہائی مظالم کی بے شمار شکایات موصول ہو رہی ہیں۔ (۴)

ایک اور مثال جس سے اس طبقہ کے کردار پر روشنی پڑتی ہے مسٹر لیوک (LUKE) کے گماشتے کالی چرن کے متعلق ہے جس پر ۱۷۸۶ء میں بترا (کومیلا) کو تباہ کرنے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ بعد میں جب اسے چاٹ گام کا دیوان یا افسر مال مقرر کیا گیا تو مقامی زمینداروں نے حکومت سے اس کے خلاف شکایت کی اور الزام لگایا کہ اس نے ایک سال کے اندر اندر تیس ہزار روپے جبراً وصول کئے ہیں۔ چاٹ گام کے کلکٹر مسٹر برڈ نے درخواست دہندگان کو یقین دلایا کہ کالی چرن کی جگہ وہ اپنے گماشتے نتانند کو اس کام پر مامور کریں گے۔ لیکن جب یہ درخواست گورنر جنرل لارڈ کارنوالس کے سامنے پیش کی گئی تو کلکتہ کے ایک طاقت ور گماشتے جوئے نرائن کی مداخلت پر سارا قصہ ختم ہو گیا اور کالی چرن اپنی جگہ پر برقرار رہا، اس پر مسٹر برڈ نے خود معاملہ کی تحقیقات کی۔ وہ درخواست دہندوں سے خود ملے اور اس کے بعد انھوں نے ایک رپورٹ تیار کی جس میں کہا گیا تھا کہ کالی چرن کے خلاف الزامات بالکل بے بنیاد ہیں۔ اس طرح یہ مقدمہ ختم ہوا اور کالی چرن حسبِ سابق اپنے عہدے پر فائز رہا۔ (۵)

یہ لعنت دراصل کمپنی کے ملازموں کی جانب سے بنگال کی اندرونی تجارت میں اپنے گماشتوں کے ذریعہ حصہ لینے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اگرچہ کمپنی کے ڈائرکٹروں نے بار ہا اپنے ملازموں کو یہ ھدایت کی کہ وہ اس قسم کا کاروبار نہ کریں (۶)۔ ان اجارہ داریوں نے کاشت کاروں کی ہڈیوں سے گودا تک نکال لیا۔

معاہدہ میں کمپنی کے ریذیڈنٹ نے (۱۷۶۴ء) ان گماشتوں کا ان الفاظ میں ذکر کیا "یہ ایسے بدمعاشوں کا گروہ ہے جو کلکتہ میں چیتھڑوں میں ملبوس پھرتے ہیں لیکن جب انہیں گماشتہ بناکر باہر بھیجا جاتا ہے تو وہ لوگوں پر حکم چلاتے ہیں۔ کاشت کاروں اور تاجروں کو جیلوں میں بند کرتے ہیں اور فوجداروں اور افسروں سے انتہائی تحکمانہ اور گستاخانہ لہجہ میں بات کرتے ہیں۔" (۷)

کلائو کے الفاظ میں حالت یہ تھی کہ کمپنی کے ملازم "ہر قابلِ ذکر شخص سے خواہ وہ نواب ہو یا معمولی زمیندار جبراً روپیہ وصول کرتے تھے"۔ اور یہ گماشتے "کمپنی کے ملازموں کے آلۂ کار بن کر ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ عام لوگوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان انگریز کے نام سے کراہت آتی ہے۔" (۸)

اس طرح ان گماشتوں کے ابھرنے سے جنہیں نئے حکمران طبقہ کی سرپرستی حاصل تھی ملک کی معیشت تباہ ہوگئی۔ (۹) ان کے مظالم اور کمپنی اور اس کے ملازموں کی ظالمانہ تجارتی اجارہ داریوں نے مل جل کر (۱۰) بہت تھوڑے عرصہ میں بنگال کی تمام منفعت بخش صنعتوں کو تباہ کر دیا (۱۱)۔ ان میں کھانڈ، نمک، روئی اور سلک کی صنعتیں بھی شامل ہیں (۱۲) اور کاشت کاروں کا تمام انحصار زراعت سے حاصل ہونے والی انتہائی قلیل آمدنی پر رہ گیا (۱۳)۔ اس کے علاوہ پلاسی کی جنگ کے بعد پھیلنے والی طوائف الملوکی (۱۴) بنگال سے بڑے پیمانہ پر دولت سمیٹ کر انگلینڈ لے جانے کے عمل (۱۵) اور کمپنی کی جانب سے ملک میں مصنوعات کی تیاری کی حوصلہ شکنی (۱۶) کر کے ہندوستان کو برطانوی مصنوعات کی منڈی میں تبدیل کرنے کی پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنگال کی معیشت بالکل بے جان ہوگئی۔ چنانچہ اٹھارھویں صدی کے پہلے نصف میں جس بنگال کو معاشی طور پر ہندوستان کا سب سے زیادہ خوش حال صوبہ سمجھا جاتا تھا (۱۷) دوسرے نصف میں اس کی صنعت، اس کی حرفت، اس کے آرٹ سب تباہ ہوگئے (۱۸) اور صدی کے اختتام تک وہ مکمل تباہی کے راستہ پر نظر آنے لگا۔

دوم کمپنی کی مالگزاری کی پالیسی نے پرانے شرفاء یا شاہی زمینداروں کے طبقہ کو بالکل ختم کر دیا۔ کمپنی نے سب سے زیادہ بولی دینے والوں کو پٹہ پر زمین دینے کا طریقہ اختیار کیا جس نے بالآخر ۱۷۹۳ء کے دوامی بندوبست کی شکل اختیار کی۔ شاہی زمینداروں کی جگہ کلکتہ کے بنیوں، گماشتوں اور مہاجنوں نے لی جنہیں نئے حکمرانوں کا پورا اعتماد حاصل تھا۔ انہوں نے لوٹ مار سے جمع کی ہوئی دولت کو پٹہ پر حاصل کی ہوئی زمینداریوں جیسے کاروبار میں لگایا (۱۹)۔ شاہی زمینداروں کی جگہ لینے والا دوسرا طبقہ ان کے ہندو فارم مینیجروں (نائبوں) اور مالگزاری وصول کرنے والوں (شق دار) کا تھا جنہوں نے آہستہ آہستہ دھوکے فریب اور بندوبست کے

انگریز افسروں کی شہ پر اپنے مالکوں کی زمینداریوں پر قبضہ کر لیا (۲۰)۔ اس طرح نئی زرعی پالیسی سے زمینداریوں کی نوعیت ہی تبدیل نہیں ہوئی بلکہ اس تبدیلی کے عمل میں شرفاء کا پرانا طبقہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ ایسے طالع آزماؤں کے ایک طبقہ نے لے لی جو صرف منافع کمانے کی غرض سے زمینداری میں سرمایہ لگاتا تھا یا زرعی جائدادیں بناتا تھا (۲۱)۔ ان تبدیلیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ بنگال کا پورا سماجی اقتصادی ڈھانچہ قریب قریب تباہ ہو گیا۔

شاہی زمیندار، زمیندار ہونے کے علاوہ حکومت کے جز وقتی مالیہ جمع کرنے والے افسر بھی تھے۔ ان کی نگرانی فوجدار (فوجی مجسٹریٹ) اور قاضی (دیوانی اور فوجداری جج) اور سب سے آخر میں خود علاقہ کا حکمران کرتا تھا جس کے دربار میں فقیر کو بھی رسائی حاصل ہو جاتی تھی۔ زمیندار دیہی پولیس کے طور پر کام کرنے والا عملہ رکھنے کا بھی پابند تھا۔ سماج دشمن عناصر پر نظر رکھنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا اور اگر اس کے علاقے میں کوئی ڈاکہ پڑتا تھا تو اسے ڈاکوؤں کو لوٹ کے مال سمیت حاضر کرنا پڑتا تھا (۲۲)۔ اس لئے ان خرابیوں کے باوجود جو جاگیرداری نظام کی خصوصیت ہوتی ہیں، پرانے زمیندار شرفاء نے اپنے عوام کے ساتھ شفقت اور اپنے کاشت کاروں کی سرپرستی اور تحفظ کی روایات بھی قائم کی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمینداروں اور ان کے کاشت کاروں کے درمیان تعلقات میں مروّت اور فراخدلی کا عنصر بہت غالب تھا۔ (۲۳)

نئے نظام کے ساتھ یہ صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ ڈھاکہ جلال پور کے مجسٹریٹ نے ۱۷۹۹ء میں عوام کے اخلاق اور طرزِ عمل کے متعلق ایک جائزے میں بتایا کہ نئے زمیندار ڈاکوؤں اور مجرموں کو پناہ دیتے ہیں اور ان کے لوٹ کے مال میں حصہ لیتے ہیں۔ (۲۴)۔ ۱۸۴۴ء میں ایک اور انگریز افسر نے اس زمانے کے زمینداروں پر یہی الزام لگایا۔ اس کے بیان کے مطابق یہ زمینداریاں "لٹیروں کی پناہ گاہیں" بن گئی ہیں۔ اور ان زمینداروں نے ڈکیتی کو بھی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ بنا لیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق یہ ایسا "گھناؤنا انقلاب" تھا جس نے بدکردار طالع آزماؤں کو اٹھا کر زمیندار کے منصب پر بٹھا دیا ہے اور جن کے جبر و ستم سے صرف سیاسی زندگی ہی نہیں سماجی اور گھریلو زندگی کے تانے بانے بھی تباہ ہو گئے ہیں۔ یہ ایسا طبقہ ہے جو ان جاگیرداروں کی شفقت اور حلیمی سے بالکل ناآشنا ہے، جو اپنے لوگوں کو تباہی سے بچانے کے لئے ان کی سرپرستی کرتے تھے۔ (۲۵)

صورتِ حال کا بدترین پہلو یہ تھا کہ انگریز جج اور مجسٹریٹ (جو چاروں طرف سے محکمہ قانون کے مقامی

افسروں، پولیس کے اہل کاروں اور کلرکوں میں گھرے ہوئے ہوتے تھے اور جنہیں زمیندار بڑی بڑی رشوتیں دیتے تھے) اصلاحِ احوال نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس یہ مکار زمیندار اور اُن کے ایجنٹ ایسا چکر چلاتے تھے کہ انگریز افسروں کے اختیارات بھی عوام کے خلاف استعمال ہوتے تھے اور ان پر ہونے والے ظلم میں اضافہ کا سبب بنتے تھے۔ (۲۶) مزید برآں نئے بندوبست نے نئے زمینداروں کو زمین کے ٹیکس کی نئی شرح مقرر کرنے کا بھی اختیار دے دیا تھا۔ (۲۷) چنانچہ ان غیر حاضر زمینداروں نے اپنی زمینیں ان پٹنی داروں (ٹھیکے داروں) کو ٹھیکے پر دے دیں جو انہیں سب سے زیادہ منافع کی پیش کش کرتے تھے۔ پٹنی داروں نے آگے چھوٹے پٹنی دار مقرر کئے۔ وہ بھی اپنی زمین زیادہ سے زیادہ منافع دینے والوں کے حوالے کرتے تھے۔ اس طرح ایک کے بعد دوسرے شکنجے کا سلسلہ کاشت کاروں تک پہنچتا تھا، جس پر ان سب کا بوجھ پڑتا تھا۔ (۲۸) ۱۸۴۴ء میں ایک انگریز افسر نے اس صورتِ حال کو یوں بیان کیا "بنگال کے ہر ضلع میں زمینداروں نے ایک ایسا دہشت کا دور پھیلایا ہے جو فرانسیسی انقلاب کے حالات سے زیادہ مختلف نہیں۔ اس کی بنیادیں بالکل وہی ہیں یعنی جھوٹے گواہوں پر غیر محدود تصرف اور ایک ایسا ٹریبونل جو ایسی ہر اخلاقی اور قانونی پابندی سے آزاد ہو جس کی وجہ سے کمرۂ عدالت اور مذبحہ میں کوئی فرق پیدا ہوتا ہو۔ (۲۹)

سوئم یہ کہ امریکہ کے نیل کاشت کرنے والے صوبے برطانوی سلطنت کے ہاتھ سے نکل گئے تو انگریزوں نے بنگال کی مختصر نیل کی صنعت کی طرف توجہ کی۔ ۱۷۹۵ء میں کئی بڑے تجربوں میں کامیابی ہونے کے سبب اس صنعت میں بھاری سرمایہ لگنے لگا اور ۱۸۱۱ء تک ڈھاکہ، فرید پور، جیسور، راجشاہی، پبنہ، نادیا اور مرشد آباد کے اضلاع میں جا بجا نیل کی فیکٹریاں قائم ہو گئیں۔ ان کے مالک انگریز تھے اور نیل بنگال کی سب سے اہم برآمدی شے بن گئی۔ (۳۰) اگرچہ اس کی وجہ سے بڑے زمینداروں نے بہت تھوڑے وقت میں خوب دولت کمائی لیکن عوام کے لئے مظالم کا یہ تیسرا بڑا سبب ثابت ہوا۔

درحقیقت زمیندار کو اس کی فیکٹری سے متصل وسیع علاقہ پر ایک اجارہ دارانہ اختیار دے دیا گیا جس کی بنا پر وہ کاشت کاروں کو نیل کی کاشت کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ اس ظالمانہ قانونی رعایت اور اس کی بلند ذاتی حیثیت اور نسلی غرور کے سبب وہ ایک ناقابلِ تسخیر جلاد بن گیا۔ وہ علاقہ کی بہترین زمین پسند کرتا تھا اور اس کے مالکوں کو اس میں نیل کی کاشت کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اس کا معاوضہ وہ ایک بیگھہ یا ایک تہائی ایکڑ کے لئے ڈھائی روپیہ فی فصل کے حساب ادا کرتا تھا اس میں زمین کا کرایہ اور مزدوری دونوں

شامل ہیں۔ یہ شرح جو ۱۸۰۰ء میں مقرر کی گئی تھی پوری نصف صدی تک برقرار رکھی گئی۔ اور اسے برقرار رکھنے کے لئے ہر قسم کا جبر و تشدد کیا گیا۔ جب کہ اس نصف صدی کے دوران چاول کی قیمت میں سات گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں نیل کی کاشت کچھ منفعت بخش بھی ہو لیکن ۱۸۲۰ء کے بعد وہ جبری ہو گئی اور انگریز زمیندار نے نیل کے پودے بروقت حاصل کرنے کی غرض سے کاشت کاروں کو 'دادنی' یا پیشگی وصول کرنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ زمین کے مالک کاشت کار کو بالعموم ایک بیگھہ کے لئے دو روپے پیشگی دیئے جاتے تھے اور باقی چار یا آٹھ آنے کی رقم پودوں کی وصولیابی کے وقت ادا کی جاتی تھی۔ (۳۱) اس ظلم کے نتیجہ میں اکثر تصادم اور تشدد کے واقعات بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ نیل کے فسادات اس حد تک پھیل گئے کہ ۱۸۵۴ء میں حکومت کو مجبور ہو کر نیل کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنا پڑا جس نے چھ سال کام کرنے کے بعد ۱۸۶۰ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ ۱۸۵۶ء میں نادیا کے جج نے کمیشن کے روبرو بتایا کہ کاشت کار کو بظاہر جو پیشگی رقم دی جاتی ہے اس میں سے بھی اسے انگریز زمیندار کے مختلف پروردوں، گماشتوں، امینوں اور طاقت گیروں کا حصہ دینا پڑتا ہے کیونکہ ادائیگی انہیں کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس طرح کاشت کار کو ایک بیگھہ زمین اور اس کی فصل کا معاوضہ ایک روپیہ سے بھی کم ملتا ہے۔ (۳۲)

مزید برآں انتہائی غیر تسلی بخش معاوضہ ملنے کے سبب کاشت کار اکثر انگریز زمیندار کے مقروض رہتے تھے اس لئے انہیں جو "دادنی" یا پیشگی ملتی تھی وہ بھی نقد نہیں ملتی تھی بلکہ اسے سابقہ قرضوں میں وضع کر لیا جاتا تھا۔ نادیا کے جج نے ایک واقعہ بیان کیا کہ کس طرح ایک شخص کو جس نے تین بیگھے یا ایک ایکڑ زمین میں نیل کی کاشت کی تھی، کل آٹھ آنے نقد معاوضہ ملا (۳۳) اور ساڑھے چھ روپے اس کے ذمہ سابقہ قرضوں کی وصول یابی کی تحریر کی شکل میں ادا کئے گئے۔

جج سی سٹیر (STEER) نے زور دے کر کہا کہ ہر دیانت دار زمیندار (PLANTER) یہ تسلیم کرے گا کہ کوئی مزارع دادنی لینے پر آمادہ نہیں ہوگا تاوقتیکہ وہ بالکل ہی مجبور نہ ہو جائے اور جس مزارع کا نام ایک بار درج ہو گیا وہ پھر کبھی اس کے چنگل سے نہیں نکل سکا۔ کیونکہ پلانٹر اور مہاجن دونوں ایک ہی طرح کام کرتے ہیں۔ دونوں مزارعین کی احتیاج سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور دونوں اپنے لین دین پر بھاری سود وصول کرتے ہیں۔ (۳۴) اس کے علاوہ یہ قرضہ باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے باپ کی وفات ہو جانے یا اس کے مفرور ہو جانے کی شکل میں یہ مستقل مقروض حیثیت پلانٹر کے خلاف نسل در نسل

منافرت کا سبب بن جاتی تھی۔(۳۵) باقر گنج (بار یسال) کے جج نے اپنے بیان میں کہا کہ "تجارت کے مال کی حیثیت سے نیل کتنی بھی قیمتی شے ہو مزارعین کا بھلا اس میں ہے کہ اس کا ایک تنکا بھی زمین پر نظر نہ آئے"۔(۳۶)

مسلمان حکمرانوں کا دستور یہ تھا کہ وہ "لکھی راج" یا مالیہ سے معافی والی زمینیں اعلیٰ افسروں کو یا علماء اور دوسرے صاحبِ کمال لوگوں کو جاگیر کے طور پر دیتے تھے۔ نقد معاوضہ یا وظیفہ کی بجائے یہ انعام "التمغہ" ائمہ (A'UMA) مدد معاش وغیرہ کے نام سے دیئے جاتے تھے۔ ان کا مقصد زیادہ تر مذہبی، تعلیمی یا رفاہی اداروں کے اخراجات پورا کرنا ہوتا تھا اور ان امدادی رقوم سے زیادہ تر مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا تھا اور ہزاروں معزز تعلیم یافتہ گھرانے ان معافی کی زمینوں پر گزر اوقات کرتے تھے۔(۳۷) ابتداء میں کمپنی نے "لکھی راج" زمینوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی لیکن ۱۷۹۳ء کے بعد سے انہوں نے کلکٹروں کی عدالتوں میں ان زمینوں کی سندات کی رجسٹری کو ضروری قرار دے دیا۔ اس کے بعد ۱۸۱۱ء، ۱۸۱۷ء، ۱۸۱۹ء، ۱۸۲۸ء اور ۱۸۳۳ء میں متعدد قوانین منظور کئے گئے جن کا مقصد جھوٹی اور جعلی جاگیروں کو ختم کرنا تھا لیکن اصل مقصد لکھی داروں کو ان کی معافی کی زمینوں سے بے دخل کرنا تھا۔ ان قوانین کے تحت ان زمینوں پر قبضہ کے لئے یہ طریقۂ کار اختیار کیا گیا ان کے ذریعہ کمپنی کی حکومت نے بنگال کے مسلمانوں کو بالکل تباہ کر دیا۔(۳۸) بیشمار سندوں کو رجسٹری نہ کرانے کا حیلہ بنا کر یا دوسرے بہانوں کی بنا پر منسوخ کر دیا گیا۔ ان قوانین کو ہمیشہ حکومت کے حق میں استعمال کیا گیا اور بعض ڈپٹی کلکٹروں نے قانون کی واضح دفعات کے برعکس رجسٹر کرائی ہوئی سندیں بھی منسوخ کر کے زمینوں پر قبضہ کر لیا۔(۳۹) مثال کے طور پر ۱۸۴۰ء میں چٹاگانگ کے ڈپٹی کلکٹر نے (جو اسی ضلع کا مسلمان باشندہ تھا) معافی کی زمینوں کے ۱۴۸۵۵ مقدمات کا غیر قانونی اور غیر منصفانہ طور پر حکومت کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس نے ہر مقدمہ کی مدعا علیہ کی غیر حاضری میں سماعت کی۔ کسی لکھی راج دار کو ذاتی طور پر کوئی نوٹس دیا نہ کسی اور طرح نوٹس کی تشہیر کی اور ان کی لاعلمی میں انہیں زمینوں سے محروم کر دیا۔ بعض اوقات تو ان زمینوں کی ضبطی کے احکام سے پہلے ہی انہیں دوسرے لوگوں کو دے دیا گیا۔(۴۰)

اس ہولناک بے انصافی سے متاثر ہو کر جب صدر بورڈ آف ریونیو کے ایک ممبر مسٹر سی ڈبلیو سمتھ نے ضروری معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو چٹاگانگ کے ڈپٹی کمشنر آئی آئی ہاروے نے انہیں مطلع کیا کہ ڈپٹی کلکٹر نے سابق کمشنر مسٹر ڈیمپیئر کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے یہ فیصلے کئے۔(۴۱) مذکورہ بالا

قوانین کے تحت ۱۸۵۲ء تک جو معافیاں ضبط کی گئیں ان سے مسلمانوں کے قدیم خاندان سخت مشکلات میں مبتلا ہو گئے۔ متوسط اور اعلیٰ طبقوں کے یہ مسلمان گھرانے سیاسی اقتدار سے محروم ہونے کے بعد اب اپنی ان زمینوں پر ہی گزر اوقات کر رہے تھے۔ کمپنی نے انہیں اس ذریعہ سے بھی محروم کر دیا۔ (۴۲)

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پلاسی کے المیہ کے وقت بنگال میں مقامی مسلمان امراء کا کوئی منظم اور سیاسی طور پر قابلِ ذکر طبقہ موجود نہیں تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس طرح دہلی کے مغل بادشاہوں کی منظم مزاحمت کی گئی تھی انگریزوں کی بنگال میں کوئی منظم اور عوامی مزاحمت نہیں کی گئی۔ پہلے مغل حکمرانوں نے بنگال کے امراء کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کیا تھا، یہ واضح نہیں ہے۔ لیکن بعد کے مغل حکمرانوں کے عہد میں شمال مغربی ہندوستان اور بہار سے متعدد تعلیم یافتہ مسلمان خاندانوں نے بنگال میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سید امیر علی بیان کرتے ہیں:۔

"انہیں ہندوستانی کہا جاتا ہے۔ اور ان میں سے بہت کم بنگالی سمجھتے ہیں۔ شمالی بنگال کے اکثر اضلاع میں جیسے بیربھوم، مدناپور، دیناج پور، مالدہ، پورنیہ اور کسی حد تک چوبیس پرگنہ کے انگریزی ضلع میں مسلمان اُردو بولتے ہیں۔ اگرچہ یہ لکھنؤ یا دہلی والوں کی طرح خالص اُردو نہیں ہوتی۔ اور وہ صرف اتنی بنگالی جانتے ہیں کہ اپنے ہندو ہمسایوں سے سلام دعا کر سکیں۔" (۴۳) بنگال کے خودمختار نوابوں کے عہد میں نظم و نسق کا بار یہ نووارد لوگ ہی اُٹھائے ہوئے تھے۔ حکمراں طبقہ ہونے کی حیثیت میں فوج اور سول عہدوں پر وہی قابض تھے۔ آہستہ آہستہ اُنہوں نے ایک نیا مسلمان اعلیٰ طبقہ پیدا کیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ لوگ عوام الناس سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے تھے۔

ڈاکٹر ملک کے بیان کے مطابق مسلمانوں کا یہ طبقہ مقامی باشندوں کی زبان سے حقارت کا سلوک کرتا تھا اور وہ بھی مقامی بول چال سے اتنے ہی نابلد تھے جتنا کوئی انگریز حاکم ہو سکتا تھا۔ (۴۴)۔

اٹھارھویں اور انیسویں صدیوں میں بنگال کا مسلمان اعلیٰ طبقہ اپنی غیر ملکی اصل پر فخر کرتا تھا۔ فارسی زبان اور ادب کو بنگالی زبان اور ادب کے مقابلے میں فروغ دیتا تھا اور مقامی مسلمانوں کے مقابلے میں جنہیں وہ 'ارذل' سمجھتا تھا خود کو 'اشراف' کہتا تھا۔ (۴۵) اس علیحدگی پسندی کے باوجود اُنہوں نے سرکاری ملازمتوں میں اعلیٰ عہدوں اور سوسائٹی میں بلند مرتبے کی وجہ سے لوگوں کی مجلسی، سیاسی اور اقتصادی زندگی میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ درباریوں، فوجی کمانڈروں اور فوجداروں کی حیثیت میں وہ حکمراں طبقہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

ان میں سے اکثر بڑی اور چھوٹی زمینداریوں کے مالک تھے اور عام لوگوں پر اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ دوسرے ملک کی تجارت میں حصہ لیتے تھے جو خوب پھل پھول رہی تھی۔ اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ ہر شعبہ میں عوام کی قیادت وہی کرتے تھے۔ سید غلام حسین طباطبائی (سیر المتاخرین کے مصنف) نے اکثر عوام کا ذکر ایسے بے بس انبوہ یا خدا کے بندے کہہ کر کیا ہے جو حفاظت، رہنمائی اور قیادت کے لئے اس اعلیٰ طبقہ کی طرف دیکھتے تھے۔

ایک انگریز افسر کے بیان کے مطابق ماضی میں شرفاء اور امراء کا یہ طبقہ اپنے زیرِ کفالت لوگوں کی خدمت گزاری اور احترام پر فخر کرتا تھا اور اس بنا پر ان لوگوں سے محبت کرتا تھا، جب کہ ان کی بددعاؤں پر ندامت اور خوف محسوس کرتا تھا اور اس زبردست روحانی تعلق کی بنا پر وہ "ان بھائیوں کا تحفظ کرتے تھے اور ان کی نگہداشت کرتے تھے جو ان کو سونپ دیئے جاتے تھے" (۴۶)

ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت نے نظامِ حکومت کی از سرِ نو تنظیم کے عمل کے دوران جس بے رحمی سے اس اعلیٰ طبقہ کو نیست و نابود کیا اس کی دردناک داستان سید امیر علی نے خاصی تفصیل اور صحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ (۴۷) چنانچہ اس طرح بنگال کی مسلم سوسائٹی میں جو خلاء پیدا ہوا اسے آسانی سے پُر نہ کیا جا سکا۔

نئے برطانوی بندوبست میں گماشتے، نئے زمیندار اور نیل کی فیکٹریوں کا انتظامی عملہ تمام و کمال ہندوؤں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور یہ سب انتقامی جذبے کے ساتھ مسلمان کاشت کاروں کی کھال اُدھیڑنے میں مصروف ہو گئے۔ اس طرح ظلم و تشدد کا نیا بوجھ مسلمانوں کے نچلے طبقہ پر آ پڑا جس کو اب مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کی تباہی کے سبب کوئی قیادت بھی میسّر نہیں تھی۔ ڈاکٹر مجمدار کے بیان کے مطابق انیسویں صدی کے آغاز میں پورے ہندوستان میں مسلم معاشرت اور تمدن ایک بے جان طاقت رہ گیا تھا۔ لیکن مقامی مسلم طبقۂ امراء کی عدم موجودگی کے سبب بنگال کی حالت باقی صوبوں کے مقابلے میں بہت خراب تھی۔ (۴۸) مدرس، مبلغ، ادیب، شاعر اور منشی لوگ مسلمانوں کا متوسط طبقہ تھے لیکن وہ اتنی اہمیت حاصل نہیں کر سکے تھے کہ عوام کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ مسلمان کاشت کاروں کی بے بسی اور مجبوری اس لئے اور بھی بڑھ گئی کہ انگریز افسر ہندو گماشتوں اور زمینداروں کے مظالم کی حوصلہ افزائی کرتے تھے یا ان سے چشم پوشی کرتے تھے۔ اسی طرح وہ انگریز پلانٹرز سے مل کر ان پر ظلم توڑتے تھے جس کی وجہ سے وہ اس وقت کے قانون کے مطابق بھی کوئی انصاف حاصل نہیں کر سکتے

تھے۔(۴۹)۔انتہائی غربت اور افلاس کی وجہ سے بنگال کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں صورتِ حال انتہائی کشیدہ ہو گئی۔ اس کے نتیجہ میں ظالموں اور مظلوموں کے درمیان اکثر بلوے اور ہنگامے ہوتے رہتے تھے۔ بعض اوقات یہ بلوے وسیع پیمانے پر ایجی ٹیشن اور بغاوت کی شکل بھی اختیار کر لیتے تھے جیساکہ ٹیٹو میر (۳۰-۱۸۳۱ء) اور دُودُو میاں (۳۸-۱۸۴۸ء) کی قیادت میں ہوا۔(۵۰)

۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیان نیل کے ٹھیکے داروں (پلانٹرز) اور کاشت کاروں کے درمیان کشیدگی نے بہت سنگین صورت اختیار کر لی۔ ایک ممتاز مورخ کے بیان کے مطابق "بنگالی کاشت کاروں نے نصف صدی کے مسلسل ظلم اور جبر سے عاجز آ کر ۱۸۵۸ء میں خود کو منظم کیا اور کسی قیمت پر بھی نیل کاشت کرنے سے انکار کر دیا۔ چاہے ان کے مکان تباہ کر دیئے جائیں بلکہ چاہے انہیں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑیں۔(۵۱) اس بغاوت میں جو نیل کی بغاوت کے نام سے مشہور ہے ہندو عوام نے بھی مسلمان عوام کا ساتھ دیا۔ یہ ایک نئی قسم کی جدوجہد کا آغاز تھا۔ تشدد کے بغیر خاموش مظاہرہ۔ جس کی وجہ سے حکومت گورے ظالموں کے مقابلہ میں ان کی ہمدرد ہو گئی۔ ۱۸۶۰ء میں لفٹننٹ گورنر جے پی گرانٹ نے دریاؤں کے ذریعہ پبنہ سے کلکتہ کا سفر کیا۔ ساٹھ ستر میل لمبے تمام راستے انہیں دریا کے دونوں کناروں پر مردوں اور عورتوں کی دو مسلسل قطاریں نظر آئیں۔ گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے تسلیم کیا کہ اس بے مثال مظاہرے پر انہیں ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانے سے بھی زیادہ تشویش محسوس ہوئی اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ اگر کسی احمق پلانٹر نے غصہ میں آ کر ایک گولی بھی چلا دی تو بنگال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نیل کی تمام فیکٹریاں نذرِ آتش ہو جائیں گی۔(۵۲) یہ مظاہرے کامیابی سے ہمکنار ہوئے تو کلکتہ کے ہندوؤں نے بھی انہیں انگریز کی آمد کے بعد بنگال میں پہلے حقیقی انقلاب سے تعبیر کر کے ان کا خیر مقدم کیا۔ اس واقعہ سے مقامی باشندوں کو اتحاد اور سیاسی ایجی ٹیشن کی قدر و قیمت معلوم ہوئی۔

'گماشتوں' نے دیہاتی باشندوں پر اپنے بے لگام ظلم کے ذریعہ اپنے ہی روزگار کی بنیاد کو تباہ کر دیا۔ جیساکہ ایک فاضل مصنف نے حال ہی میں کہا ہے "انہوں نے پھل کھانے کے لیئے درخت ہی کو جڑ سے کاٹ دیا۔" (۵۴) یہی کچھ نیل کے ٹھیکے داروں نے کیا۔

۱۸۶۰ء میں "جبری کاشت" کا قانون منسوخ ہوتے ہی نیل کی صنعت اچانک اس طرح تباہ ہوئی جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہو۔ لیکن زمینداروں کا نیا طبقہ غریب اور بے بس کاشت کاروں کو بدستور

تنگ کرتا رہا یہاں تک کہ پاکستان کے قیام کے بعد زمینداری نظام ہی ختم نہیں کر دیا گیا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ (ا) پلاسی کی جنگ کے پس منظر کے لئے ملاحظہ کیجئے ایم مہر علی کا مذکورہ بالا عنوان کے تحت مقالہ ص ۴۷ - ۷۰
جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ڈھاکہ جلد ۱۱ نمبر ۳ دسمبر ۱۹۶۶ء۔

(ب) پلاسی کی جنگ کے بیان کے لئے ملاحظہ فرمائیے اے حلیم کا مضمون "دی سٹرگل ان بنگال"۔ "ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ" ــ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۵۷ء جلد ا ص ۲۳۷ - ۳۹۔

(ج) میر جعفر اور اس کے جانشینوں کے پلاسی کی جنگ کے بعد کے حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیے ذکاالدین احمد کا مضمون "ڈیکلائن اینڈ فال آف دی نوابز آف بنگال" جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان
ڈھاکہ، جلد ۱۱ نمبر ا ۱۹۶۶ء ص ۱۰۸ - ۸۷۔

۲۔ "ہسٹری آف دی انڈین ریوولٹ اینڈ آف دی ایکسپیڈیشنز ٹو پرشیا، چائنا اینڈ جاپان"۔ لندن، ڈبلیو اینڈ آر چیمبرس۔ ۱۸۵۹ء ص ۳۲ - ۳۳۔

۳۔ ایچ بیورج "دی ڈسٹرکٹ آف باقر گنج اٹس ہسٹری اینڈ سٹیٹسٹکس"۔ لندن ۱۸۷۶ء، ۳۰۳، ملاحظہ فرمائیے اس میں مندرج دستاویز۔ اس کے علاوہ اگلا حوالہ ص ۲۲۴ - ۲۵۔

۴۔ مظہر الحق۔ "دی ایسٹ انڈیا کمپنیز لینڈ پالیسی اینڈ کامرس اِن بنگال" ۱۶۹۸ء - ۱۷۸۴ء۔ ڈھاکہ ۱۹۶۴ء ص ۲۲۷ -

۵۔ سرکاری ریکارڈ۔ رجسٹر آف ڈائری مئی سے نومبر ۱۷۸۷ء تک کی کارروائی (چٹاگانگ کلکٹریٹ) سیریل نمبر ۷ جلد نمبر ۲۴ ص ۱۰ - ۱۴ "رائٹ آنریبل چارلس ارل کارنوالس کے حضور رام نرائن وغیرہ کی عرضداشت" اس کی ایک کاپی راقم الحروف کے پاس ہے، جسے مذکورہ بالا جلد سے نقل کیا گیا تھا۔ یہ جلد حکومت مشرقی پاکستان کے سیکرٹریل ریکارڈ روم ڈھاکہ میں محفوظ ہے۔

۶۔ مظہر الحق کی "ایسٹ انڈیا کمپنی" محولہ بالا -

۷۔ ایضاً ص ۲۲۹ -

۸۔ اے آر ملک۔ "برٹش پالیسی اینڈ دی مسلمز ان بنگال" ۱۷۵۷ - ۱۸۵۶ء۔ ڈھاکہ ۱۹۶۱ء۔ صفحہ ۳۰۔

۹ - مظہر الحق ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' - محولہ بالا ص ۲۶۲ - ۲۶۳ -

۱۰ - اے آر ملک، برٹش پالیسی، محولہ بالا ص ۵۷ -

۱۱ - مظہر الحق ''دی ایسٹ انڈیا کمپنی'' - ص ۲۶۳ -

۱۲ - اے آر ملک، برٹش پالیسی - ص ۵۶ - ۵۷ - اور مظہر الحق ''دی ایسٹ انڈیا کمپنی'' ص ۲۶۳ -

۱۳ - مظہر الحق ''دی ایسٹ انڈیا کمپنی'' ص ۲۶۳ - (۱۴) ایضاً ص ۱۷۵ - (۱۵) ایضاً ۱۹۴ -

۱۶ - اے آر ملک - ''برٹش پالیسی'' ص ۵۷ -

۱۷ - آر سی مجمدار ''ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ اِن انڈیا'' کلکتہ، ۱۹۶۳ء - ۱ : ۳۱

۱۸ - اے آر ملک، برٹش پالیسی، ص ۳۰ - (۱۹) ایضاً ص ۳۳

۲۰ - ایضاً ص ۳۳ - ۳۴ - ''اور انڈین مسلمانز'' لندن، ۱۸۷۱ء، ص ۱۷۰ - مصنفہ ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر اور راقم الحروف کی ''مسلم سٹرگل فار فریڈم ان بنگال'' ۱۷۵۷ء - ۱۹۴۷ء، ڈھاکہ، ۱۹۶۰ء، ۹ اور اس میں موجود دوسرے حوالہ جات -

۲۱ - کلکتہ ریویو، جلد ۱، ۱۸۴۴ء ص ۱۸۹، بنگال پولیس کے سربراہ مسٹر ڈیمپیر کی رپورٹ - (۲۲) ایضاً -

۲۳ - ایضاً - نیز راقم الحروف کی کتاب ''ہسٹری آف دی فرائضی موومنٹ ان بنگال'' ملاحظہ ہو - کراچی، ۱۹۶۵ء

۲۴ - ''لوگوں کے اخلاق و اطوار کے متعلق ضلع ڈھاکہ، جلال پور کی ایک پولیس رپورٹ'' - مرتبہ راقم الحروف، جرنل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، جلد ۲ نمبر ۱ - ۱۹۵۹ء - ص ۲۹ -

۲۵ - کلکتہ ریویو، جلد ۱، ۱۹۴۴ء - (۲۶) ایضاً -

۲۷ - برٹش پالیسی - مصنفہ اے آر ملک، ص ۵۱ - ۵۲ - (۲۸) ایضاً -

۲۹ - کلکتہ ریویو، جلد ۱، ۱۹۴۴ء ص ۱۹۶، اس کے علاوہ راقم الحروف کی فرائضی تحریک کی تاریخ ملاحظہ ہو۔

۳۰ - اے آر ملک کی برٹش پالیسی - (۳۱) ایم اے خان کی ''ہسٹری آف دی فرائضی موومنٹ ان بنگال''

۳۲ - حکومت بنگال کے ریکارڈز میں سے انتخاب - بنگال میں نیل کی کاشت سے متعلق کاغذات، کلکتہ، ۱۸۶۰ء، ص ۵۱ - ۵۲ اور ۱۱۰ - ۱۱۱ - (۳۳) ایضاً ص ۵۲ (۳۴) ایضاً ص ۶۸ -

۳۵ - جے ایچ ای گیرٹ ''بنگال ڈسٹرکٹ گزیٹرز، نادیا، کلکتہ -

۳۶ - حکومت بنگال کے ریکارڈز میں سے انتخاب - بنگال میں نیل کی کاشت سے متعلق کاغذات -

۳۷۔ اے آر ملک ۔ برٹش پالیسی ۔ (۳۸) ایضاً (۳۹) ایضاً
۴۰۔ ایضاً ص ۴۴۔ ادر بورڈ کا مجموعہ سی ڈبلیو سمتھ جونیر ممبر بورڈ آف ریونیو سے ریونیو کمشنر چٹاگانگ، مسٹر آئی آئی ہاروے منک، مورخہ ۵ اپریل ۱۸۴۰ء اور نمبر ۱۱۵، ہاروے سے صدر بورڈ آف ریونیو کو مورخہ ۱۵ مئی ۱۸۴۰ء (یہ دستاویزیں انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں اور ان سے فوٹو کی ہوئی نقول نیشنل بنک آف پاکستان کی کراچی اور ڈھاکہ لائبریریوں میں ہیں)
۴۱۔ بورڈ کا مجموعہ ۴۲ ۸۴۶۴۳۔ (۴۲) اے آر ملک کی "برٹش پالیسی" ص ۴۶ - ۴۷ -
۴۳۔ سید امیر علی :۔ "اے کرائی فرام دی انڈین محمڈنز" "نائن ٹینتھ سنچری" لندن، اگست ۱۸۸۲ء، ص ۱۹۹ - ۲۰۰ - (فوٹو کی ہوئی کاپیاں نیشنل بنک آف پاکستان کی کراچی اور ڈھاکہ لائبریریوں میں محفوظ ہیں)
۴۴۔ اے آر ملک کی "برٹش پالیسی"۔
۴۵۔ اے کے ایم نظم الکریم "چینجنگ سوسائٹی ان انڈیا اینڈ پاکستان" آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص ۱۲۷، اس کے علاوہ اے کریم۔ "ریسرچ ان ٹو دی سوشل ہیری ٹیج آف دی مسلمز ان بنگال، سوشل ریسرچیز ان ایسٹ پاکستان" میں ملاحظہ فرمائیے۔ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ڈھاکہ ۱۹۶۰ء ص ۷ - ۱۶ اور عبدالمجید خان کا مذکورہ بالا جلد میں مقالہ "مشرقی پاکستان میں مسلم طبقہ اُمراء کے متعلق تحقیق"۔ (۴۶) کلکتہ ریویو، جلد ۱، ۱۸۴۴ء، ص ۱۸۹ -
۴۷ ۔ سید امیر علی "اے کرائی فرام دی انڈین محمڈنز"۔ (۴۸)۔ آر سی مجمدار، محولہ بالا۔
۴۹۔ راقم الحروف کی کتاب "فرائضی تحریک کی تاریخ" میں متعدد واقعات ملاحظہ فرمائیں ۔ ٹیٹو میر کے کیس اور تفصیلات کے لئے راقم الحروف کا مضمون "ٹیٹو میر کی جدوجہد: ایک نیا جائزہ"۔ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان جلد ۴، ۱۹۵۹ء، ص ۱۱۳ - ۳۳) اور دُودُو میاں کا کیس ص ۳۴ - ۳۷ ۔ اور تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے پارلیمنٹری کاغذات، نیل کمیشن، شہادتوں سے اقتباس ۔ ایڈورڈ ڈی لاتور کی جانب سے جواب، (فوٹو کی ہوئی نقل نیشنل بنک آف پاکستان کی کراچی اور ڈھاکہ لائبریریوں میں موجود ہیں)۔ (۵۰)۔ اوپر کا نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔
(۵۱)۔ آر سی مجمدار محولہ بالا۔ (۵۲)۔ ایل ایس ایس او میلے کے، بنگال ڈسٹرکٹ گزیٹرز پٹنہ، کلکتہ۔
(۵۳)۔ امرت بازار پتریکا، ۲۲ مئی ۱۸۷۴ء، جس کا حوالہ آر سی مجمدار نے ہندوستان میں تحریک آزادی کی تاریخ میں دیا ہے۔
(۵۴) مظہر الحق کی "ایسٹ انڈیا کمپنی" ص ۲۶۱ - ۲۶۳ - (اصل انگریزی سے ترجمہ)